# E-Content

Instructional Media Centre
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad - 32
T.S. India

## Subject / Course - M.A. Urdu

**Paper** : **06. Tarjuma Nigari Aur Iblaghiyaat**

**Module Name/Title** : **Tarjume Ke Bunyaadi Usool o Nazaryaat**

| DEVELOPMENT TEAM | |
|---|---|
| **CONTENT** | DDE / Prof. Abdul Kalam |
| **PRESENTATION** | Prof. Abdul Kalam |
| **PRODUCER** | Md. Mujahid Ali |

Instructional Media Centre
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad - 32
T.S. India
//imcmanuu

# اکائی: 2 ترجمے کے بنیادی اصول ونظریات

ساخت


2.1 تمہید

2.2 ترجمہ کیا ہے؟

2.3 تھیوڈر ساوری کے تالیف کردہ اصول ونظریات

2.4 لفظ، محاورے، عبارت اور اسلوب کا ترجمہ

2.5 اصول اصطلاح سازی

2.6 مترجم کے بنیادی فرائض

2.7 ترجمے کے تین اہم میدان

5.8 خلاصہ

5.9 نمونہ امتحانی سوالات

5.10 فرہنگ

5.11 سفارش کردہ کتابیں


## 2.1 تمہید

ترجمے کا فن اتنا قدیم ہے جتنا کہ انسان کی سماجی زندگی ہے۔ جب انسان نے ایک سماجی گروہ کے طور پر رہنا شروع کیا تو اسے اپنے آس پاس کے رہنے والوں سے سماجی رشتے قائم کرنے کی ضرورت پڑی۔ سماجی گروہوں میں سماجی اور علاقائی دوریوں کے باعث ان گروہوں کی زبانیں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوتی تھیں یا پھر ان میں اتنا فرق ہوتا تھا کہ ایک گروہ کا آدمی دوسرے گروہ کے لوگوں کی زبان پوری طرح نہ سمجھ پاتا تھا۔ انسانی متنوع خواہشات کا مجسمہ ہے۔ یہی خواہشات ضروریات میں بدلتی ہیں اور ضروریات مختلف قوموں اور لسانی گروہوں میں لین دین کے عمل کو جنم دیتی ہیں اور مختلف لسانی گروہوں میں لین دین کی خواہش وضرورت کی باقاعدہ تکمیل کے لیے ترجمے کا فن اور اصول جنم لیتے ہیں۔ ترجمے کے ذریعے اس لین دین کے فن میں باقاعدگی لانے کے لیے باقاعدہ اصول وضوابط بنائے جاتے ہیں تاہم ابھی تک مبسوط اور قبول عام اصول مرتب نہیں کیے گئے ہیں۔ اس اکائی میں انہیں ترجمے کے بنیادی اصول ونظریات سے متعلق مختلف پہلوؤں پر گفتگو کی جائے گی۔ بقول ظ انصاری:

> ''علوم مثلاً لغت سازی، صرف ونحو، معانی وبیان، اصطلاح سازی وغیرہ پر ہر زمانے میں توجہ دی گئی ہے لیکن ترجمے کے مسائل پر صرف بحث کی گئی۔ اس کے باقاعدہ اصول مرتب نہیں کیے گئے۔''

ترجمے کے بغیر دنیا کے بیشتر کام نہیں چل سکتے۔ قدیم زمانے سے لے کر ہمارے زمانے تک دنیا میں ہونے والی علمی، فنی، سائنسی اور ٹیکنیکل معلومات ہمیں ترجموں کے ذریعے ہی حاصل ہوتی ہیں۔ ہمارے زمانے میں فنی اور تکنیکی دریافتیں، انکشافات اور معلومات بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہیں اور یہ دریافتیں اور معلومات ہر ملک کے لیے ضروری ہیں۔ ملک ترقی یافتہ ہو، ترقی پذیر ہو یا پس ماندہ ہو، یہ مقصد صرف ترجمے کے ذریعے پورا ہوتا ہے۔

دنیا کے تمام ترقی پذیر اور پس ماندہ ملکوں کے لیے لازمی ہے کہ وہ علمی آگہی، نئی نئی دریافتوں اور عالمی بصیرتوں کو بڑے پیمانے پر کم سے کم وقت میں حاصل کریں کیوں کہ یہ اُن کی موت اور زندگی کا سوال ہے۔

## 2.2 ترجمہ کیا ہے؟

گوئٹے کا قول ہے کہ "جملہ امورِ عالم میں جو سرگرمیاں سب سے زیادہ اہمیت اور قدر و قیمت رکھتی ہیں ان میں ترجمہ بھی شامل ہے"۔ لیکن گوئٹے کے مدنظر عالمی ادب کا ایک عظیم الشان نصب العین تھا اور جیسا کہ اقبال نے پیام مشرق کے دیباچے میں لکھا ہے اس کے لیے مغرب و مشرق کا ادب انسانیت کا مشترکہ سرمایہ تھا۔

ٹرانسلیشن کا لفظ مغرب کی جدید زبانوں میں لاطینی سے آیا ہے اور اس کے لغوی معنی ہیں "پار لے جانا"۔ اس سے قطع نظر کہ کوئی خاص مترجم کسی کو پار اتارتا بھی ہے کہ نہیں، یہ مفہوم نقل مکانی سے لے کر نقل معانی تک پھیلا ہوا ہے، اس طرح اردو اور فارسی میں ترجمے کا لفظ عربی زبان سے آیا ہے۔ اہلِ لغت اس کے کم سے کم چار معنی درج کرتے ہیں۔ ایک سے دوسری زبان میں نقلِ کلام، تفسیر و تعبیر، دیباچہ اور کسی شخص کے احوال کا بیان۔ اور یہ سب معانی باہم مربوط ہیں۔ ترجمہ ایک ایسا پیچیدہ اور مشکل عمل ہے جس کے ذریعے کسی تصنیف کو اس کی جملہ خصوصیات کے ساتھ اصل زبان سے کسی دوسری زبان میں کچھ اس طرح منتقل کیا جائے، جس کے باوصف ترجمے کی زبان میں اصل تصنیف دوبارہ اپنی پرانی شکل میں زندہ جاوید ہو جائے۔

"عالمی ادب کے تصور کو ایک ٹھوس حقیقت میں تبدیل کرنے کے لیے ترجمہ ایک ناگزیر وسیلہ ہے۔" یہ خیال تقابلی ادبیات کے فرانسیسی نژاد امریکی پروفیسر البرٹ گیرارڈ نے اپنی عمدہ تصنیف "مقدمہ ادب عالم" میں ظاہر کیا تھا لیکن ساتھ ہی ساتھ بڑی دردمندی سے یہ ٹھوس حقیقت بھی تسلیم کی تھی کہ "ترجمہ نام ہے ایک سعی نامشکور کا جس کے صلے میں شدید مشقت کے بعد صرف حقارت ملتی ہے۔"

ترجمہ وہ دریچہ ہے جس سے دوسری قوموں کے احوال ہم پر کھلتے ہیں لیکن جدید عہد میں یہ ایک ضرورت بھی ہے، جس کے بغیر ہم عالمی سطح کی علمی ادبی سرگرمیوں میں شریک نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ اپنی قومی زبان کی اہمیت کو برقرار رکھنے، اسے گلوبل علم سے واقف کرانے اور جدید ٹکنالوجی کا ساتھ دینے کے لیے ترجمہ ایک بنیادی ضرورت ہے۔

ترجمے کے ذریعے صرف زبان کی سطح پر ہی انسانی علوم میں اضافہ نہیں ہوتا بلکہ ذہنی کشادگی کے ذریعے بعض اوقات معاشرے کے بنیادی مزاج اور رہن سہن میں بھی ایک تغیر پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ترجمے کا دائرہ صرف ادب تک ہی محدود نہیں بلکہ تمام انسانی علوم اور دریافتیں اس میں شامل ہیں اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ علم یا دریافت کسی قوم کی میراث نہیں ہوتی بلکہ پوری نسل انسانی اس سے استفادہ کرتی ہے تو دراصل اس کا وسیلہ ترجمہ ہی ہوتا ہے، جس کے ذریعے قومیں عالمی تناظر میں نہ صرف ایک دوسرے کے جذبات و احساسات میں شریک ہوتی ہیں بلکہ ایک دوسرے کے علمی اور تحقیقی کاموں سے بھی فیض حاصل کرتی ہیں۔

یہ المیہ ہے کہ تیسری دنیا میں، جہاں اس کی سخت ضرورت ہے، ترجمے کو اب تک حقارت کی نظر سے ہی دیکھا جاتا ہے۔ حالانکہ یہی حقیر کام کم سے کم مغرب میں ایسے لوگوں نے بھی انجام دیا ہے، جو اپنی اپنی زبانوں کی آبرو رہے ہیں۔ اردو میں سجاد حیدر یلدرم، منٹو، قرۃ العین حیدر، انتظار حسین اور حسن عسکری اور شاعری میں اقبال سے لے کر شان الحق حقی نے تراجم کیے ہیں۔ اردو دنیا میں اور فرانسیسی میں بودلیر سے لے کر آندرے ژید تک کتنے بڑے فنکاروں نے خود کو مترجم کہلانے میں کوئی سبکی محسوس نہیں کی۔ بلکہ آندرے نے تو یہاں تک کہا ہے کہ ہر ادیب کے لیے لازم ہے کہ عالمی ادب کا کم سے کم ایک شاہکار اپنی زبان میں منتقل کرے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ تخلیق کے مقابلے میں ترجمے کا کام نفی خودی کا مظہر ہے لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ پھر یہ کام اثبات خودی کے پیغمبر حضرت علامہ نے کیوں انجام دیا۔ شاید اس لیے کہ اسرارِ خودی سے ہی نہیں رموزِ بے خودی سے بھی ان کا رشتہ اتنا ہی گہرا تھا۔ ترجمہ کرنے کی صلاحیت کا احساس مانند اسرارِ خودی ہے جب کہ مصنف اور تصنیف میں ضم ہو کر کامیاب ترجمہ کرنا مثل رموزِ بے خودی ہے۔

ترجمہ ایک نہایت مشقت طلب کام ہے اور جو طبیعتیں اس کے برخلاف تعصب اور مزاحمت سے کام لیتی ہیں، درحقیقت محنت سے جان چراتی ہیں۔ ترجمہ ایک فن ہے اور جملہ فنون کی طرح اس فن میں بھی کمال اور بے کمالی کے ہزاروں مدارج موجود ہیں۔ ترجمے کی بہت سی اقسام ہیں اور یہ کام

INSTRUCTIONAL MEDIA CENTRE * MANUU
IMC LIBRARY
Hyderabad-34.

بازار سے لے کر اقوام متحدہ تک اور اخبار سے لے کر وی۔سی۔آر تک کسی نہ کسی شکل میں چلتا ہی ہے۔عام زندگی میں بھی ترجمے کا معیار قدرے بہتر ہوسکتا ہے۔اگر اس کو فن کے طور پر نہ سہی ایک روزمرہ ہنر کی طرح سے ہی سیکھنے سکھانے کا ماحول پیدا کیا جاسکے نیز فن ترجمہ جملہ فنون کی طرح لامتناہی عمل پیہم اور ریاض کا متقاضی ہے اور جس قدر لگن ومحنت کے ساتھ مترجم ترجمہ کرتا جائے گا اس کے فن میں نکھار آتا جائے گا۔فن کے بارے میں ہم بھی جانتے ہیں کہ محض تعلیم وتعلم سے نہیں آتا گرچہ اس میں بھی ایک عنصر ہنر کا ضرور ہوتا ہے جو ماہرانہ تربیت سے نکھر سکتا ہے۔لیکن ترجمے کا ہنر اس لحاظ سے خاصا پیچیدہ ہے کہ اس میں دوہری تہری صلاحیت کی ضرورت پڑتی ہے۔متن کی زبان اور اپنی زبان پر خیر عبور ہونا ہی چاہیے۔اس موضوع سے بھی طبعی مناسبت درکار ہے جو متن میں موجود ہے۔مصنف سے بھی کوئی نہ کوئی نفسیاتی مماثلت لازمی ہے اور اس صنف ادب سے بھی لگاؤ ضروری ہے جس میں متن پیوست ہے۔

علمی اور تکنیکی ترجمے کے بارے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ ان کی تاریخ 'طرز فکر اور طریقۂ کار' کو بھی اپنی زبان میں منتقل کرنا چاہیے۔کیوں کہ اس سے معاشرے میں عمومی آگہی اور ذہنی میلان پیدا ہوگا اور جب تک اجتماعی سطح پر کوئی علمی سرچشمہ وجود میں نہیں آتا' تب تک ٹکنالوجی کے خریدار خریدار ہی رہتے ہیں۔اس کے تولید کار نہیں بن سکتے۔اسی طرح جو نظام تعلیم تحقیقی ترقیاتی اہلیت رکھنے والے افراد پیدا نہیں کرسکتا محض رسمی تعلیم اور رسمی نصاب کے ذریعے چاہے وہ کسی زبان میں ہو دوررس نتائج حاصل نہیں کرسکتا۔اس لیے اشد ضروری ہے کہ طرز فکر اور طریقۂ کار کی منتقلی کو بھی ترجمے کے ذریعے یقینی بنایا جائے۔

ترجمے کی دو بڑی قسمیں ہیں۔ایک تو مشینی ترجمہ ہے اور دوسرا تخلیقی ترجمہ۔مشینی ترجمے کا مقصد ہے انسانی زبانوں میں باہمی ترجمے کے عمل کو کمپیوٹر کی مدد سے آسان بنانا' تاکہ تعلیمی' تکنیکی' معلوماتی اور تبلیغاتی مسالہ کم سے کم وقت میں تیار ہوسکے۔تقریباً نصف صدی پہلے جب ایک ''خودکار مترجم'' تیار کرنے کے لیے ابتدائی تحقیق شروع ہوئی تھی' تو یہ توقع پورے جوش وخروش کے ساتھ کی گئی تھی کہ جلد ہی ایک ایسا آلہ ایجاد ہوجائے گا' جس کے ایک طرف زیراکس مشین کی طرح کسی زبان کے متن کو داخل کیا جائے تو دوسری طرف سے مطلوبہ زبان کا ترجمہ کھٹ سے باہر نکل آئے گا۔اس دوران میں جدید زبان شناسی کے ماہرین نے مختلف زبانوں کے اجزائے ترکیبی کا تقابلی مطالعہ کرکے واضح کردیا ہے کہ مشینی ترجمہ بھی آسان کام نہیں۔چنانچہ اب یہ طے ہوچکا ہے کہ کمپیوٹر میں لسانیاتی پروگرام بھرنے کے بعد بھی لسانی ماہرین مترجمین اور ترجمے کے مدیروں کی ضرورت برقرار رہے گی۔نتیجتاً مشینی ترجمے کے باعث خدشہ ہے کہ مترجمین اور ترجمے کے مدیروں کی قلت مزید بڑھے گی۔

وقت اور سرمائے کی بچت شاید پھر بھی نہ ہوسکے۔تاہم دنیا کے کئی ملکوں میں مزید تحقیق جاری ہے اور امید کی جاسکتی ہے کہ پوری طرح خودکار نہ سہی مشینی ترجمہ کسی قدر آسان ضرور ہوجائے گا۔تاہم اس کا دائرہ کار ایسی زبان تک محدود رہے جس میں زبان کو تہہ در تہہ معنویت کے ساتھ استعمال نہ کیا گیا ہو۔ان تمام کے باوجود مدیر کی ضرورت پڑے گی اور جب تک مدیر خود اچھا مترجم نہ ہو یا نہ رہا ہو تب تک ترجمے کا اچھا مدیر نہیں بن سکتا۔مشینی ترجمے کی روایت کے عام ہونے کی صورت میں مترجمین کی کمی کا احساس مزید ہوگا نتیجتاً مدیروں کی بھی قلت ہوگی تو ایسی صورت میں مشینی ترجمے کی تصحیح کون کرے گا؟

اس کے برعکس تخلیقی ترجمہ تو ہوتا ہی ایسی تخلیقات کا ہے' جو تہہ در تہہ معنویت کی حامل ہوں اور یہ ترجمے کی سب سے مشکل بلکہ تقریباً ناممکن قسم ہے۔یہاں تک کہ تاریخ ادب میں متعدد تخلیقی فن کاروں نے اسے کلیتہً خارج از امکان قرار دے دیا ہے۔اس کے باوجود شیلی کے تراجم سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جب کوئی شاعر کسی ایسے متن کو منتخب کرے جو اس کی طبیعت سے ہم آہنگ ہو تو فن ترجمہ کتنی بلندیوں تک پہنچ سکتا ہے۔تخلیقی ترجمہ ایک ایسے اتفاقی حادثے کا نام ہے' جس کی پیش بینی نہیں ہوسکتی۔یہ تو ٹھیک ہے کہ مختلف زبانوں میں ایسی لفظ بلفظ مماثلت نہیں ملتی جو بامعنی ہو اور درست بھی تاہم تخلیقی ترجمے کرنے والوں نے ایسی مماثلتیں دریافت کی ہیں' جہاں نہیں تھیں۔انہوں نے اپنے تخیل سے پیدا کرکے دکھایا ہے' چنانچہ ترجمے کی یہ قسم آزادی اور پابندی کے درمیان ایک جدلیاتی کشمکش کرتی ہوئی نظر آتی ہے اور جب یہ تضاد اعلیٰ سطح پر موزوں ومتناسب موافقت اور مطابقت کی صورت میں تبدیل ہوجاتا ہے تو فن ترجمہ کو معراج نصیب ہوتی ہے۔

لیکن عام قسم کا لفظ بلفظ ترجمہ جس میں اصل زبان کی زندگی مفقود ہو یا ایسا رواں دواں اور آزاد ترجمہ جس میں اصل کی تہہ در تہہ معنویت قربان ہوجائے' اردو میں محمد حسن عسکری اس قسم کے رواں ترجمے کو جس میں اصل متن کے اسلوب بیان کو کلیتہً نظرانداز کردیا گیا ہو اور اس کی جگہ مماثل اور متوازی اثر پیدا کرنے کی کوشش بھی نہ کی گئی ہو لایعنی قرار دیتے ہیں اور ایسے ترجموں سے عالمی ادب کی یا اپنی زبان کی کوئی خدمت نہیں ہوتی۔اصولی طور پر ایسے

ترجموں کو تلخیص یا تسلی کی ایک مشق تو سمجھا جاسکتا ہے کوئی تخلیقی کمال نہیں سمجھا جاسکتا۔ دراصل تخلیقی سطح کا ہر ترجمہ اپنے ساتھ ایک نیا مسئلہ لے کر آتا ہے کیوں کہ اس کا رابطہ ایک ایسے متن سے ہوتا ہے جو اپنی زبان میں ایک مثالی حیثیت کا حامل ہوتا ہے۔

تخلیقی ترجمے سے ایک دوسری مراد ادبی اور تخلیقی تحریروں کے تراجم ہیں اور انہیں پر سب سے زیادہ اختلافی باتیں ہوتی ہیں' کیوں کہ سائنسی یا علمی موضوعات کا ترجمہ کرتے ہوئے اصطلاحوں پر تو اختلاف ہوسکتا ہے لیکن مفہوم کی ترسیل میں فرق نہیں ہوتا لیکن ادبی ترجموں میں اصل جھگڑا اس وقت پیدا ہوتا ہے' جب یہ اعتراض کیا جائے کہ لکھنے والے کا اصل مفہوم یا تحریر کا مزاج تو ترجمے میں آیا ہی نہیں۔ پھر اصناف کی باریک بینیاں بھی اکثر ترجمے میں حائل ہوجاتی ہیں۔ مثال کے طور پر نظم کے برعکس غزل کا ترجمہ کہیں مشکل ہے' کیوں کہ غزل کے خیال کو تو آسانی سے دوسری زبان میں منتقل کیا جاسکتا ہے لیکن اس کی مزاجی کیفیت اور ہیئتی دبازت کا ترجمہ آسان نہیں۔

ہر زبان وادب کا ارتقا کسی مخصوص سماجی اور تہذیبی پس منظر میں ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر تخلیقی فن پارے کا اپنا ایک تہذیبی سانچہ ہوتا ہے۔ اسی لیے ترجمے کا تعلق تہذیبی سانچے سے ہوتا ہے۔ دراصل ترجمے کا فن انسانیت کی تاریخ میں ایک بین الاقوامی نقطۂ نظر کی پیداوار بھی ہے اور ایک بین الاقوامی اندازِ نظر پیدا کرنے کا وسیلہ بھی۔ یہ دو تہذیبوں اور دو زبانوں کے درمیان اتحاد کا ایک عمل ہے اور یہ اتحاد یک طرفہ نہیں ہوسکتا۔ مزید اہم بات یہ ہے کہ زبان کی سرحدوں کو پار کرکے باہم مفاہمت کی فضا پیدا کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ ترجمے کی عربی تعریف کے مطابق ترجمہ 'نقل کلام' کو کہتے ہیں۔ نقل مطالب یا نقل معانی کو نہیں کہتے اور نقل کلام کا تقاضا یہی ہے کہ جس زبان میں نقل ہوجائے اس میں تقریباً ویسا ہی اثر پیدا ہو جیسا اصل زبان میں پیدا ہوا تھا اور یہ بھی لازمی ہے کہ کلام سے مکالمے کی صورت پیدا ہو ورنہ ترجمے کا ہونا نہ ہونا برابر ہوگا۔

## اپنی معلومات کی جانچ :

1. گوئٹے نے ترجمے کے بارے میں کیا کہا ہے؟
2. دنیا کے علوم تک انسان کی رسائی کا وسیلہ کیا ہے؟
3. ترجمے کی دو بڑی قسمیں کون سی ہیں نیز تخلیقی ترجمے سے کیا مراد ہے؟

## 2.3 تھیوڈر ساوری کے تالیف کردہ اصول ونظریات

تھیوڈر ساوری نے 'آزاد اور لفظی ترجمہ' کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا تھا جسے آصفہ جمیل نے اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ اس اردو ترجمے کو پروفیسر قمر رئیس نے اپنی مرتبہ کتاب 'ترجمے کا فن اور روایت' میں شامل کیا ہے۔ تھیوڈر کا کہنا ہے کہ ترجمہ کرنے والوں کو ہمیشہ ترجمے کے فن کے بارے میں ہر ممکن معلومات حاصل کرنی چاہیے۔ مترجم کو یہ خیال رکھنا چاہیے کہ ہر فن میں تین طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو آپ کو ہدایت دیتے ہیں اور دوسرے وہ جو آپ کی اصلاح کرتے ہیں اور تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو خود کو بہتر ثابت کرنے کے لیے بغیر کچھ جانے آپ پر تنقید یا نکتہ چینی کرتے ہیں۔ ان تینوں میں سب سے اہم وہ لوگ ہیں جو آپ کو ہدایت دیتے ہیں۔ کیوں کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے متعلقہ فن کے بارے میں ممکنہ معلومات حاصل کی ہیں اور ان کی دلیلوں کی بنیاد اصولوں اور نظریات پر ہوتی ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ترجمے کے اصول کیا ہونے چاہئیں۔ ترجمے کے اصول مختصر طور پر بیان کرنا ممکن نہیں ہے اور اگر ہم چاہیں کہ ترجمے کے اصولوں کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کریں تو یہ کام بہت مشکل ہے۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ دنیا کے ہر ملک میں ترجمے کا کام بہت بڑے پیمانے پر ہورہا ہے، لیکن ترجمے کے ایسے اصول ابھی تک وضع نہیں کیے گئے جنھیں دنیا کے تمام مترجم تسلیم کرتے ہوں۔ تمام فنون میں ایسے ماہرین کی تعداد خاصی ہوتی ہے جو متعلقہ فن کے اصول اور نظریات مرتب کرتے ہیں لیکن یہ ترجمے کے فن کی بدنصیبی ہے کہ اس کے لیے باقاعدہ اصول ابھی تک مرتب نہیں کیے گئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی تک ترجمے کے فن کو ایسے لوگ نہیں ملے جو باقاعدہ اصول مرتب کرتے۔ جن لوگوں نے ترجمے کے تھوڑے بہت اصول بنائے ہیں یا جن لوگوں کو ترجمے کا عملی تجربہ ہوتا ہے ان کا آپس میں بہت اختلاف ہوتا ہے۔ ایسا اکثر ہوا ہے کہ کسی مشہور مترجم نے روانی میں ترجمے کا کوئی اصول وضع کردیا۔ بعض مترجم اسے تسلیم کرتے ہیں اور بعض اس سے اختلاف۔ مختلف مترجموں کے بیانات

کا اگر ہم جائزہ لیں تو اُنھوں نے جو اصول مرتب کیے ہیں ان میں اتنے اختلافات ہیں کہ کوئی مترجم جب ان اصولوں کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کس اصول کو مانے یا کس اصول کو نہ مانے۔

تھیوڈر نے ترجمہ نگاری کے درج ذیل مختلف اصول ونظریات کی فہرست دی ہے:

1- ترجمہ میں اصل متن کے الفاظ کا ترجمہ ہونا چاہیے۔

2- ترجمہ اصل متن کے معانی ومفاہیم پر مشتمل ہونا چاہیے۔

3- ترجمہ اصل تصنیف کی طرح پڑھا جانا چاہیے۔

4- ترجمہ کو ترجمہ کی ہی طرح پڑھا جانا چاہیے۔

5- ترجمہ میں اصل تصنیف کے اسلوب کی جھلک ہونی چاہیے۔

6- ترجمہ کو مترجم کے منفرد اسلوب کا نمائندہ ہونا چاہیے۔

7- ترجمہ اصل متن کے ہم عصر کی طرح پڑھا جانا چاہیے۔

8- ترجمہ کو مترجم کے ہم عصر کی طرح پڑھا جانا چاہیے۔

9- ترجمہ میں اصل تصنیف سے حذف واضافہ کیا جاسکتا ہے۔

10- ترجمہ میں اصل متن سے حذف واضافہ کبھی ممکن نہیں۔

11- نظم کا ترجمہ نثر میں ہونا چاہیے۔

12- نظم کا ترجمہ نظم میں ہونا چاہیے۔

تھیوڈر نے مختلف اصولوں کی جو فہرست دی ہے، اس میں اختلاف کی پوری گنجائش ہے۔

یہاں میں شاہ ولی اللہ کے صاحب زادے شاہ محمد رفیع الدین کے قرآن شریف کے ترجمے کا ذکر کروں گا۔

یہ ترجمہ 1776ء میں کیا گیا تھا۔ اُس زمانے تک اردو نثر خاصی صاف، سادہ اور رواں ہوچکی تھی۔ لیکن چوں کہ شاہ محمد رفیع الدین کو یہ خیال تھا کہ قرآن شریف کا ترجمہ اس طرح کیا جائے کہ ترجمے میں ایسی کمی وبیشی نہ رہ جائے جس سے قرآن شریف کا مفہوم بدل جائے۔ اس لیے اُنھوں نے یہ اہتمام کیا کہ قرآن شریف کے ہر لفظ کا ترجمہ عربی عبارت کے مطابق کیا۔ شاہ محمد رفیع الدین نے قرآن شریف کے ہر لفظ کے نیچے اردو کا مناسب ترین لفظ لکھ دیا اور عبارت کی وضاحت نہیں کی۔ اس اہتمام سے قرآن شریف کی عبارت میں تو کوئی تبدیلی نہیں آئی لیکن ترجمے کا بیشتر حصّہ اردو محاورے کے خلاف ہوگیا اور بعض مقامات پر اصل عبارت کی انتہائی پابندی کرنے کی وجہ سے عبارت گنجلک ہوگئی۔ چوں کہ اصل عبارت کی وضاحت کے الفاظ نہیں بڑھائے گئے۔ اس لیے معنی ومفہوم واضح نہ ہونے کی وجہ سے ترجمہ ناقابلِ فہم ہوگیا۔ عربی میں فاعل اور مفعول سے پہلے فعل آتا ہے۔ شاہ محمد رفیع الدین نے ترجمے میں الفاظ کی یہی ترتیب رکھی، جو اردو کے قواعد اور صرف ونحو کے اصولوں کے خلاف ہے۔ شاہ محمد رفیع الدین کے اُس ترجمے کی یہ تاریخی اہمیت ہے کہ اردو میں قرآن کا یہ پہلا ترجمہ ہے۔ نقشِ اوّل میں جو کمی رہ جاتی ہے، وہ اس ترجمے میں ہے۔ شاہ محمد رفیع الدین کے بھائی شاہ عبدالقادر نے جب شاہ رفیع الدین کے ترجمے کی کوتاہیاں دیکھیں تو انھیں اندازہ ہوا کہ یہ ترجمہ بہت زیادہ لفظی ہونے کی وجہ سے خلافِ محاورہ اور بیشتر مقامات پر ناقابلِ فہم ہوگیا ہے۔ 1790ء میں اُنھوں نے 'موضح القرآن' کے نام سے خود قرآن شریف کا ترجمہ شائع کیا۔

شاہ عبدالقادر نے لفظی ترجمے پر آزاد ترجمے کو ترجیح دی۔ یہ آزاد ترجمہ بس اس حد تک آزاد ہے کہ اُنھوں نے یہ خیال رکھا کہ قرآن شریف کا ترجمہ پڑھنے والا قرآن کو آسانی سے سمجھ سکے، اس لیے اُنھوں نے کوشش کی کہ قرآن شریف کا مفہوم ایسی اردو میں بیان ہوجائے کہ پڑھنے والا اسے آسانی سے سمجھ سکے۔ اُنھوں نے عربی الفاظ کے لیے ایسے اردو الفاظ منتخب کیے اور ایسے اردو الفاظ کا التزام کیا جو عوام میں رائج ہو۔

شاہ عبدالقادر نے قرآن شریف کا اردو میں جو ترجمہ کیا ہے، اس سے پہلی بار اردو میں ترجمے کے یہ تین اصول مرتب ہوئے:

1- یہ ہرگز مناسب نہیں ہے کہ مترجم اصل متن کے ہر لفظ کے نیچے اس کا ہم معنی لفظ لکھ دے۔ اس طرح کے ترجمے سے عبارت گنجلک ہو جاتی ہے، بیشتر مفاہیم ناقابلِ فہم ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات متن کا مطلب کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔

2- دوسرا اصول یہ مرتب ہوا کہ مترجم یہ خیال رکھے کہ وہ کن لوگوں کے لیے کتاب کا ترجمہ کر رہا ہے۔ اگر وہ ایسے لوگوں کے لیے ترجمہ کر رہا ہے جو فارسی اور عربی سے واقف ہیں تو اس کو یہ آزادی ہے کہ وہ ترجمے میں عربی اور فارسی کے ایسے الفاظ استعمال کرے، جو اس کے پڑھنے والوں کی سمجھ میں آسکیں۔ مترجم اگر ان زبانوں یعنی عربی اور فارسی کے اجنبی الفاظ کا استعمال کرے گا تو ترجمہ مشکل ہوگا اور اجنبی الفاظ کی وجہ سے اس میں رکاوٹ سی پیدا ہو جائے گی اور عبارت میں روانی نہیں رہے گی۔

3- تیسرا اصول یہ مرتب ہوتا ہے کہ اگر ترجمہ عام لوگوں کے لیے کیا جا رہا ہے تو ترجمے کی زبان، آسان اور قابلِ فہم ہو۔ ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں جنھیں کم پڑھے لکھے لوگ بھی سمجھ سکیں۔ عربی اور فارسی الفاظ سے بوجھل ترجمے کی ایک بنیادی خرابی یہ ہے کہ اس کے قارئین کا حلقہ بہت پڑھے لکھے لوگوں تک محدود ہو جاتا، اگر زبان آسان اور عام فہم ہو تو ہر طبقے کے لوگ ترجمے کو شوق سے پڑھیں گے۔

ترجمے کے بارے میں جو مختلف نظریات ہیں۔ اب ہم ان کے بارے میں گفتگو کریں گے۔

ترجمے کے بارے میں بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ترجمہ ایسا صاف، رواں، سلیس اور شستہ ہونا چاہیے کہ وہ تصنیف کی طرح پڑھا جانا چاہیے۔ ایسا ترجمہ کرنا ہرگز ممکن نہیں ہے۔ کیوں کہ دنیا میں کوئی ایسی دو زبانیں نہیں ہیں، جن میں ایک زبان کے تمام الفاظ کے مترادفات اس زبان میں ہوں جس میں ترجمہ کیا جا رہا ہے۔ اگر مترجم یہ کوشش کرے گا کہ وہ اصل عبارت سے قریب تر رہے اور لفظی ترجمہ کرے تو ترجمے میں یقیناً اصل تصنیف کی روانی نہیں ہوگی۔ اس بحث کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ترجمہ، اصل متن کے معانی و مفاہیم پر مشتمل ہونا چاہیے۔ یہ صرف سائنسی ٹیکنیکل اور ریاضی کی کتابوں میں تو کافی حد تک ممکن ہے لیکن ادبی کتابوں میں اس لیے ممکن نہیں کہ ہر زبان کا مصنف اپنی عبارت میں ایسے الفاظ، محاورے کہاوتیں اور روزمرّہ استعمال کرتا ہے، جن کا ترجمہ ممکن نہیں ہے۔

ترجمے کے بارے میں ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ ترجمے میں اصل تصنیف کے اسلوب کی جھلک ہونا ضروری ہے۔ یہ نظریہ کسی طرح بھی قابلِ قبول نہیں ہے۔ کیوں کہ اگر مترجم کوشش کرے کہ اس کے ترجمے میں اصل تصنیف کے اسلوب کی جھلک نظر آئے تو مترجم پر دوہری پابندی عائد ہو جائے گی۔ ایک تو یہ کہ وہ ایسا ترجمہ کرے جو منشائے مصنف کے مطابق ہو، یعنی ترجمہ اصل تصنیف سے قریب ترین ہو۔ اس پابندی پر مترجم کے لیے ایسے الفاظ کی تلاش ضروری ہو جاتی ہے، جس سے ترجمہ اصل تصنیف سے قریب ہو جائے اور پھر اگر 'اسلوب کی جھلک' کی پابندی عائد کر دی جائے تو مترجم اس ذمے داری سے ہرگز عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔ ہر زبان میں تمام مصنفوں کا اسلوب ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوتا اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی مصنف اپنی ہی زبان کے دوسرے مصنف کے اسلوب کی پیروی کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ کامیاب نہیں ہوتا۔ اردو میں کئی مصنفین نے غالب کے اردو خطوط کے اسلوب کی نقل کرنے کی کوشش کی، لیکن کسی ایک کو بھی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ ترجمے میں مصنف اور مترجم کی زبانیں بھی مختلف ہوتی ہیں، اس لیے کوئی بھی مترجم مصنف کے اسلوب کی پیروی میں کسی طرح بھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اگر مترجم مصنف کے اسلوب کی پیروی کی کوشش کرے گا تو اس سے ترجمے کی خوبی متاثر ہوگی، اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ مترجم اگر صاحبِ طرز مصنف ہے اور وہ اپنی طرز اور اسلوب میں ترجمہ کرے، تب بھی ترجمہ اچھا نہیں ہوگا۔ کیوں کہ ترجمے پر مترجم کی شخصیت چھا جائے گی۔ اس لیے مترجم کے لیے یہ ہرگز مناسب نہیں کہ ترجمے کو اپنے منفرد اسلوب کے سانچے میں ڈھالے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ترجمہ ایسا ہونا چاہیے کہ وہ مترجم کے ہم عصر کی عبارت معلوم ہو۔ یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں کیوں کہ ہر تصنیف میں اس کے زمانے کی تہذیبی اور سماجی زندگی کے حوالے ہوتے ہیں۔ ترجمے کو مترجم کے عہد کی عبارت کی کوشش میں اصل تصنیف کے بہت سے تاریخی اور تہذیبی حوالوں کو ترک کرنا پڑے گا اور یہ ترجمے کے ساتھ انصاف نہیں ہوگا۔

ترجمے کا ایک اہم مسئلہ یہ بھی ہے کہ ہر تصنیف میں مصنف کی شخصیت اور اس کے عہد کے بہت سے حوالے ہوتے ہیں۔ کیا ہم انھیں حذف کر دیں۔ مصنف کی تحریر میں کچھ مقامات ایسے ہوتے ہیں جو مترجم کے لیے ناقابلِ فہم ہوتے ہیں یا مترجم تو ان مقامات کو بخوبی سمجھ لیتا ہے' لیکن وہ سوچتا ہے کہ مصنف کی تحریر میں بعض مقامات ایسے ہیں جو بہت سے پڑھنے والوں کے لیے ناقابلِ فہم ہوں گے یا ان کا مطالعہ مفید نہیں ہوگا یا مصنف نے کچھ باتیں ایسی کہی ہیں جو مترجم کے ذاتی عقائد و نظریات سے مختلف ہیں تو کیا مترجم کو یہ حق ہے کہ وہ متعلقہ عبارت حذف کر دے۔ اسی طرح ایسی کچھ مثالیں ہیں کہ مترجم کو کسی متن کا تنقیدی اڈیشن تیار کرنا ہے یا اس کا ترجمہ کرنا ہے، وہ تنقیدی اڈیشن کی تیاری میں یا ترجمے کے دوران متن میں اپنے عقائد اور نظریات سے متعلق کچھ عبارت کا اضافہ کر دیتا ہے۔ اضافہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک تو مترجم اپنے عقائد اور نظریات کی تبلیغ کے لیے متن میں عبارت کا اضافہ کر دیتا ہے، جس کی اسے ہرگز اجازت نہیں دی جا سکتی۔ دوسرے اصل تصنیف میں کچھ ایسے مقامات ہوتے ہیں جن کی وضاحت ضروری ہے۔ مترجم کو یہ حق ہے کہ وضاحت کے لیے کچھ عبارت کا اضافہ کرے۔ لیکن یہ وضاحتی عبارت مختصر ہو اور صرف اتنی ہو جس سے تصنیف کے ناقابلِ فہم حصے پڑھنے والے کی سمجھ میں آ جائیں۔ یہ وضاحت اتنی طویل نہیں ہونی چاہیے کہ ترجمہ اصل تصنیف کی تفسیر بن جائے۔

نظم کے ترجمے کے بارے میں ایک نظریہ یہ ہے کہ نظم کا ترجمہ نظم میں کیا جائے لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نظم کا ترجمہ نثر میں کیا جائے۔ اوّل تو بعض دانشوروں کا خیال ہے کہ نظم کا ترجمہ بہت دشوار کام ہے اور بعض اوقات ناممکن کی حد تک دشوار ہے۔ انگریزی کے مشہور نقاد جانسن کا قول ہے کہ "نظم کا ترجمہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔" اگر نظم کا ترجمہ نثر میں کیا جائے تو کچھ حد تک قابلِ برداشت ہوتا ہے اگر نظم کا ترجمہ نظم میں کیا جائے تو اصل نظم کے ساتھ سخت ناانصافی ہے' کیوں کہ اس طرح کے ترجموں میں اصل متن میں شاعر کچھ کہتا ہے اور مترجم کچھ اور ترجمہ کرتا ہے۔ نظم میں عام طور سے ایسا ہوتا ہے کہ شاعر اپنے خیال کو شعر کے سانچے میں اس طرح ڈھالتا ہے کہ شعر کے ایک سے زیادہ مفہوم ہو جاتے ہیں، اس لیے شاعروں کے کلام کی شرح لکھی جاتی ہے۔ غالب کے اردو کلام کی کئی شرحیں لکھی جا چکی ہیں اور ان شرحوں میں روز بروز اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ ہر زمانے کے لوگ اشعار کو اپنی فکر کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، اس لیے ایک ایک شعر کے کئی کئی مفاہیم رائج ہو جاتے ہیں۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مترجم کیا سبھی مفاہیم کا ترجمہ کرے یا صرف ایک کا۔ سبھی مفاہیم کے ترجمے سے ترجمہ نہیں، دوسری زبان میں ایک اور شرح ہو جائے گی اور اگر مترجم صرف ایک مفہوم کا ترجمہ کرے تو کس مفہوم کو ترجیح دے اور یہ ضروری نہیں کہ مترجم نے جس مفہوم کو ترجمے کے لیے ترجیح دی ہے، وہ صحیح یا زیادہ لوگوں کے لیے قابلِ قبول ہو۔ اگر نظم کا ترجمہ کرنا ہی ضروری ہے تو نثر میں ترجمہ کرنا بہتر ہوگا۔

### اپنی معلومات کی جانچ :

1. ترجمے سے متعلق تھیوڈر کے تالیف کردہ 12 اصول کیا ہیں؟
2. 1776ء میں قرآن شریف کا لفظی ترجمہ کس نے کیا تھا؟
3. اسلوب کی جھلک اور تہذیبی اشارے سے کیا مراد ہے؟

## 2.4 لفظ' محاورے' عبارت اور اسلوب کا ترجمہ

لوگ شکایتاً کہتے ہیں کہ اردو کی لفظیات بہت محدود ہیں لیکن اردو کی تہی دامانی کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ اس میں امکانی قوتوں کا بھی فقدان ہے یا یہ کہ اس میں ترقی کی گنجائش نہیں ہے۔ ایسا سمجھنا بالکل خلاف واقعہ ہوگا۔ اردو کے بڑے ماخذ تین ہیں۔ عربی' فارسی اور ہندی اور ان تینوں میں کم و بیش ایسی خصوصیات ہیں جو ترجمے کے کام میں بہت مدد دے سکتی ہیں۔ عربی کی قواعد کچھ اس قسم کی ہے کہ ایک ہی لفظ کے بہت سے الفاظ بنائے جا سکتے ہیں۔ فارسی زبان اپنی لطافت' شیرینی اور شعریت کی وجہ سے ترجمے میں چار چاند لگا دیتی ہے اور بعض اوقات ہندی سے بھی ایسے الفاظ مل جاتے ہیں جو اپنی قوتِ گویائی کے لحاظ سے لاجواب ہوتے ہیں۔

ترجمے کے کام میں انگریزی اور دوسری ترقی یافتہ زبانوں سے بھی مدد لی جا سکتی ہے۔ سینکڑوں انگریزی الفاظ اردو میں داخل ہو کر اس طرح گھل مل

گئے ہیں کہ ان کا ترجمہ تلاش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ وہ بلاتکلف اردو کے الفاظ کی طرح استعمال کیے جاسکتے ہیں۔ ایسے الفاظ کی دو قسمیں ہیں اول وہ جو ہو بہو یا اردو لب و لہجے کے مطابق خفیف ترمیم کے ساتھ اپنائے جاسکتے ہیں۔

| پہلی قسم | | دوسری قسم | |
|---|---|---|---|
| اسکول | School | تکنیک | Technique |
| کالج | College | رومان | Romance |
| یونیورسٹی | University | سانیٹ | Sonnet |
| بس | Bus | اسٹوڈیو | Studio |
| ٹریکٹر | Tractor | اسٹنزا | Stanza |
| اسکوٹر | Scooter | میکانکی | Mechanical |
| ٹیچر | Teacher | رپٹ | Report |
| پوزیشن | Position | لالٹین | Lantern |
| پروپیگنڈہ | Propaganda | قندیل | Candle |
| پروفیسر | Professor | ماچس | Match Box |
| لکچرر | Lecturer | بکس | Box |
| ڈائرکٹر | Director | الماری | Almirah |
| ٹرین | Train | اسپتال | Hospital |

الفاظ اور عبارت کا ترجمہ کرنے کے لیے علاحدہ علاحدہ اصول ہیں۔ الفاظ کا ترجمہ کرنے میں درج ذیل اصول کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔

(1) ترجمہ صحیح ہونا چاہیے۔ (2) حتی الامکان عام فہم ہونا چاہیے (3) سبک اور خوبصورت ہونا چاہیے۔

1) ترجمے کا صحیح ہونا بہر حال ضروری ہے کیوں کہ جو تصور اصل میں ہے وہ اگر نقل میں ادا نہیں ہوتا یا اصل کی سی شدت کے ساتھ ادا نہیں ہوتا تو ایسا ترجمہ کچھ زیادہ مفید نہیں ہوسکتا۔

2) ترجمے کا حتی الامکان عام فہم ہونا بھی ضروری ہے۔ اس لیے کہ عوام کو ان تصورات سے روشناس کرایا جائے جو اصل میں موجود ہیں۔ اگر ترجمے میں ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں جن کے معنی معمولی تعلیم یافتہ طبقہ نہ جانتا ہو تو وہ ان تصورات کو کیا سمجھے گا۔

3) ترجمے کے سبک اور خوبصورت ہونے کی شرط زیادہ جمالیات کے نقطہ نگاہ سے ہے لیکن اس کا عملی پہلو بھی ہے اور وہ یہ کہ بھدا یا بھاری بھر کم لفظ استعمال کرنے سے بیان میں الجھاؤ اور گرانی پیدا ہوجاتی ہے اور مطالب کے اظہار اور تفہیم دونوں میں دشواری ہوتی ہے۔ لہٰذا ترجمے کا مقصد جیسا چاہیے پورا نہیں ہوتا۔

ان تینوں شرطوں پر برابر توجہ دینا مشکل ہے اور یہ ضروری نہیں کہ ہر لفظ کا ترجمہ سبھی شرطوں پر پورا اترے۔

عربی کے مقابلے میں فارسی الفاظ اردو دانوں کے لیے زیادہ عام فہم ہوتے ہیں اور سبک اور خوبصورت بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں

| فارسی | عربی | انگریزی |
|---|---|---|
| تپش پیما | مقیاس الحرارت | Thermometer |
| آتش کش | قاطع النار | Fire-extinguisher |
| پرواز | طیران | Flight |
| تراشہ | قطعہ | Cutting |

INSTRUCTIONAL MEDIA CENTRE
IMC LIBRARY
Hyderabad-34

لیکن یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ بعض اوقات عربی ترجمے بھی نہایت سُبک اور حسین ہوتے ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| معجّل | Urgent | قاصد | Messenger |
| تقدیم، ترجیح | Priority | عکاسی | Photography |

کبھی کبھی عربی اور فارسی کی آمیزش سے بہت خوبصورت ترجمہ ہو سکتا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| طیارہ بان | Pilot | خیراندیش | Good will |

یہ ضروری نہیں کہ ہر لفظ کا لفظی ترجمہ کر دیا جائے۔ اصل عبارت میں اکثر الفاظ ایسے ملتے ہیں جو ایک خاص ماحول رکھتے ہیں اور ایک خاص تلازمۂ خیال پیش کرتے ہیں۔ اگر ترجمے میں آنکھ بند کر کے ان کے مترادف الفاظ رکھ دیے جائیں تو نتیجہ اکثر مضحکہ خیز ہوگا۔

ہر زبان کے الفاظ میں ایک وزن اضافی ہوتا ہے۔ بظاہر اکثر الفاظ ہم معنی نظر آتے ہیں اور ایک ہی لفظ کے کئی کئی معنی ہوتے ہیں لیکن گہری نظر ڈالنے سے ان الفاظ یا معانی میں نازک امتیازات قائم کیے جا سکتے ہیں۔ بلکہ اکثر یہ امتیازات پہلے سے موجود ہوتے ہیں۔ مثلاً ذیل کے الفاظ اردو میں بظاہر ہم معنی ہیں۔

عریاں، برہنہ، ننگا، لیکن ان کے محلِ استعمال پر غائر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں بہت فرق ہے۔ لفظ ''برہنہ'' میں حقیقت اتنی بے لباس نہیں ہے، جتنی کہ لفظ ''ننگا'' میں ہے۔ اور لفظ عریاں میں اس سے بھی کم ہے۔ مطلق لفظ کا ترجمہ ہو یا عبارت کا اس وزن اضافی کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔

الفاظ کا ترجمہ کرنا پھر بھی نسبتاً آسان ہے لیکن عبارت کا ترجمہ کرنا اکثر مشکل ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس میں دو متضاد تقاضوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ ایک طرف تو یہ خیال رکھنا پڑتا ہے کہ ترجمہ حتی الامکان تحت اللفظ ہو، اصل عبارت کا محض لب لباب یا تبصرہ نہ ہو اور دوسری طرف ترجمے کی زبان کا محاورہ اور فقرہ ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ ہر زبان میں مخصوص اسالیب ہوتے ہیں جن کا لفظی ترجمہ دوسری زبان میں نہیں ہو سکتا۔ ایسی صورت میں یا تو ترجمے کی زبان کا کوئی ایسا اسلوبِ اظہار یا محاورہ تلاش کرنا پڑتا ہے جو اصل کا لفظی ترجمہ نہ ہو بلکہ اس کے مرکزی خیال کو ادا کرتا ہو، یا اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر ترجمے میں جملے کی ساخت حسبِ ضرورت تبدیل کرنی پڑتی ہے اور یا الفاظ گھٹانے بڑھانے پڑتے ہیں۔ تاکہ مطلب حتی الامکان صفائی اور محاورے کے ساتھ ادا ہو جائے۔ درج ذیل مثال ملاحظہ کیجیے:

> The common interests of mankind are numerous and weighty, but our existing politcal machinary obscures them through the scramble for power between different nations and different parties.

> انسان کے مشترک مفادات کثیر اور نہایت اہم ہیں لیکن ہماری موجودہ سیاسی مشینری مختلف قوموں اور جماعتوں کے درمیان اقتدار کی کشاکش کے ذریعے انہیں دھندلا کر دیتی ہے۔

ترقی یافتہ زبانوں کے جملے اکثر پیچیدہ اور لمبے ہوتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے اسالیب مقرر اور عام فہم ہو چکے ہیں اور مطلب سمجھنے میں کوئی خاص دقت نہیں ہوتی لیکن اردو ابھی زیادہ پیچیدہ اور لمبے جملوں کی متحمل نہیں ہے۔ لہٰذا ترجمہ کرتے وقت ایسے جملوں کو اسلوب کے ساتھ ترجمہ کرنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے، کیوں کہ اس سے ترجمے کی زبان میں اظہاری وسعت پیدا ہوتی ہے اور اگر بالکل ناممکن ہو جائے تو جملوں کے کم سے کم ٹکڑے سے کام چلانا چاہیے۔

مختصر یہ کہ ترجمہ حتی الامکان تحت اللفظ ہونا چاہیے۔ اصل عبارت کا محض خلاصہ مطلب نہیں ہونا چاہیے۔ ترجمہ حتی الامکان زبان کے محاورے کے مطابق ہونا چاہیے۔ کیوں کہ محاورے، غزل کے اشعار کے مانند ہوتے ہیں اور اصل زبان کے اسلوب کو منتقل کرنے میں مدد ملتی ہے اور مواد کی اثر انگیزی ترجمے کی زبان میں باقی رہتی ہے۔ اس کے لیے ترجمے کی زبان کے محاوروں کی روایت اور مبسوط اور معیاری لغت پیش نظر ہونی چاہیے۔ الفاظ کے وزن

لیکن یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔بعض اوقات عربی ترجمے بھی نہایت سبک اور حسین ہوتے ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| معجّل | Urgent | قاصد | Messenger |
| تقدیم'ترجیح | Priority | عکاسی | Photography |

کبھی کبھی عربی اور فارسی کی آمیزش سے بہت خوبصورت ترجمہ ہوسکتا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| طیارہ بان | Pilot | خیر اندیش | Good will |

یہ ضروری نہیں کہ ہر لفظ کا لفظی ترجمہ کردیا جائے۔اصل عبارت میں اکثر الفاظ ایسے ملتے ہیں جوایک خاص ماحول رکھتے ہیں اور ایک خاص تلازمہ خیال پیش کرتے ہیں۔اگر ترجمے میں آنکھ بند کرکے ان کے مترادف الفاظ رکھ دیے جائیں تو نتیجہ اکثر مضحکہ خیز ہوگا۔

ہر زبان کے الفاظ میں ایک وزن اضافی ہوتا ہے۔بظاہر اکثر الفاظ ہم معنی نظر آتے ہیں اور ایک ہی لفظ کے کئی کئی معنی ہوتے ہیں لیکن گہری نظر ڈالنے سے ان الفاظ یا معانی میں نازک امتیازات قائم کیے جاسکتے ہیں۔بلکہ اکثر یہ امتیازات پہلے سے موجود ہوتے ہیں۔مثلاً ذیل کے الفاظ اردو میں بظاہر ہم معنی ہیں۔

عریاں'برہنہ'ننگا'لیکن ان کے محلِ استعمال پر غائر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں بہت فرق ہے۔لفظ ''برہنہ'' میں حقیقت اتنی بے لباس نہیں ہے'جتنی کہ لفظ ''ننگا'' میں ہے۔اور لفظ عریاں میں اس سے بھی کم ہے۔مطلق لفظ کا ترجمہ ہو یا عبارت کا اس وزن اضافی کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔

الفاظ کا ترجمہ کرنا پھر بھی نسبتاً آسان ہے لیکن عبارت کا ترجمہ کرنا اکثر مشکل ہوتا ہے۔وجہ یہ ہے کہ اس میں دو متضاد تقاضوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ایک طرف تو یہ خیال رکھنا پڑتا ہے کہ ترجمہ حتی الامکان تحت اللفظ ہو'اصل عبارت کا محض لب لباب یا تبصرہ نہ ہو اور دوسری طرف ترجمے کی زبان کا محاورہ اور فقرہ ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ہر زبان میں مخصوص اسالیب ہوتے ہیں جن کا لفظی ترجمہ دوسری زبان میں نہیں ہوسکتا۔ایسی صورت میں یا تو ترجمے کی زبان کا کوئی ایسا اسلوبِ اظہار یا محاورہ تلاش کرنا پڑتا ہے جو اصل کا لفظی ترجمہ نہ ہو بلکہ اس کے مرکزی خیال کو ادا کرتا ہو'یا اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر ترجمے میں جملے کی ساخت حسب ضرورت تبدیل کرنی پڑتی ہے اور یا الفاظ گھٹانے بڑھانے پڑتے ہیں۔تاکہ مطلب حتی الامکان صفائی اور محاورے کے ساتھ ادا ہو جائے۔درج ذیل مثال ملاحظہ کیجیے:

> The common interests of mankind are numerous and weighty, but our existing politcal machinary obscures them through the scramble for power between different nations and different parties.

> انسان کے مشترک مفادات کثیر اور نہایت اہم ہیں لیکن ہماری موجودہ سیاسی مشینری مختلف قوموں اور جماعتوں کے درمیان اقتدار کی کشاکش کے ذریعے انہیں دھندلا کردیتی ہے۔

ترقی یافتہ زبانوں کے جملے اکثر پیچیدہ اور لمبے ہوتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے اسالیب مقرر اور عام فہم ہوچکے ہیں اور مطلب سمجھنے میں کوئی خاص دقت نہیں ہوتی لیکن اردو ابھی زیادہ پیچیدہ اور لمبے جملوں کی متحمل نہیں ہے۔لہٰذا ترجمہ کرتے وقت ایسے جملوں کو اسلوب کے ساتھ ترجمہ کرنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے'کیوں کہ اس سے ترجمے کی زبان میں اظہاری وسعت پیدا ہوتی ہے اور اگر بالکل ناممکن ہو جائے تو جملوں کے کم سے کم ٹکڑے سے کام چلانا چاہیے۔

مختصر یہ کہ ترجمہ حتی الامکان تحت اللفظ ہونا چاہیے۔اصل عبارت کا محض خلاصہ مطلب نہیں ہونا چاہیے۔ترجمہ حتی الامکان زبان کے محاورے کے مطابق ہونا چاہیے۔کیوں کہ محاورے'غزل کے اشعار کے مانند ہوتے ہیں اور اصل زبان کے اسلوب کو منتقل کرنے میں مدد ملتی ہے اور مواد کی اثر انگیزی ترجمے کی زبان میں باقی رہتی ہے۔اس کے لیے ترجمے کی زبان کے محاوروں کی روایت اور مبسوط اور معیاری لغت پیش نظر ہونی چاہیے۔الفاظ کے وزن

اضافی کا خیال رکھنا چاہیے تاکہ اصل عبارت میں ان کی جو اضافی اہمیت ہے وہ ترجمے میں بھی باقی رہے۔حتی الامکان ایسے الفاظ کے ترجمے سے گریز نہیں کرنا چاہیے جن کے مترادفات اردو میں پہلے سے موجود نہ ہوں۔زبان کو وسعت دینے کا طریقہ یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ہر لفظ کا مترادف تلاش کرنے کی کوشش کی جائے۔خواہ وہ مترادف نامانوس ہی کیوں نہ ہو'اصل عبارت میں جملہ اگر اس قدر پیچیدہ اور لمبا ہو کہ اس کا تحت اللفظ ترجمہ کرنے سے معنی میں الجھاؤ پیدا ہو جاتا ہے تو ایسی صورت میں جملے کو کم سے کم ٹکڑوں میں تقسیم کر لینا چاہیے۔

### اپنی معلومات کی جانچ :

1. اردو لفظیات کے تین اہم ذرائع کون سے ہیں؟
2. زبان میں محاوروں کی کیا اہمیت ہے؟
3. لفظ کے وزن اضافی سے کیا مراد ہے؟

---

## 2.5 اصول اصطلاح سازی

بیسویں صدی کے آغاز میں جب جامعہ عثمانیہ میں دارالترجمہ قائم ہوا تو وضعِ اصطلاحات کی ضرورت محسوس کی گئی۔اس ادارے سے جن کتابوں کا ترجمہ کیا گیا، اُن میں زیادہ تر کتابیں انگریزی کی تھیں۔لہٰذا وضع اصطلاحات کا جو کام شروع کیا گیا تو عام طور سے انگریزی اصطلاحات کا مسئلہ سامنے رکھا گیا۔دارالترجمہ میں جن علما کا تقرر کیا گیا تھا، اُنھیں عام طور سے عربی اور فارسی پر قدرت حاصل تھی، اس لیے فطری طور پر ان کا رجحان ان زبانوں کی طرف تھا، اس لیے دارالترجمہ کے معزز اراکین نے کثرتِ رائے سے یہ مسئلہ اس طرح طے کیا کہ فارسی زبان کی اصطلاحیں بجنسہٖ یا کسی تغیر و تبدل کے ساتھ اردو میں اختیار کرنے کے بجائے خود اپنی اصطلاحات وضع کی جائیں۔دل چسپ بات یہ ہے کہ انگریزی اصطلاحات کو بجنسہٖ نہیں لیا گیا لیکن عربی اور فارسی الفاظ کی مدد سے اردو اصطلاحات وضع کرنے میں عربی اور فارسی الفاظ کی مدد لی گئی۔دارالترجمہ سے جن کتابوں کے ترجمے حاصل ہوئے، اُن میں ان اصطلاحات کا استعمال کیا گیا' جن میں عربی اور فارسی کے اُن الفاظ کا استعمال کیا گیا جو اردو والوں کے لیے اجنبی تھے' یہ اصطلاحات چوں کہ مشکل تھیں۔اس لیے یہ اصطلاحیں دارالترجمہ سے باہر مقبول نہیں ہوئیں اور پھر اُن افراد یا اداروں نے جو ترجمے کے کام میں مصروف تھے، انفرادی طور پر اپنی اصطلاحیں وضع کیں اور بیشتر اصطلاحیں اردو میں استعمال ہوتی ہیں، جن پر عام طور سے ادیبوں اور محققوں کو مجموعی طور پر اتفاق نہیں ہے۔اصل میں اس میں اگر ایک اسکالر نے کوئی نئی اصطلاح وضع کی تو اُس کے ہم عصر اُس اصطلاح کا استعمال اس لیے نہیں کرتے کہ اس سے وہ چھوٹے ثابت ہوتے ہیں۔نتیجہ یہ ہے کہ بہت کم ایسی اصطلاحات ہوں گی جن پر اکثر محققین اور ادیبوں کو اتفاق ہو۔ورنہ صورتِ حال یہ ہے کہ ہر مترجم اپنی اصطلاحات کا استعمال کرتا ہے۔جس پر 'اپنی اپنی ڈفلی اپنا اپنا راگ' کی کہاوت صادق آتی ہے۔

یہاں مولانا وحید الدین سلیم کی کتاب 'وضع اصطلاحات' کا ذکر ضروری ہے۔مولانا نے یہ کتاب بیسویں صدی کے آغاز میں لکھی تھی اور انجمن ترقی اردو نے اسے شائع کیا تھا۔اس موضوع پر اردو میں یہ پہلی کتاب ہے، اس میں اصطلاحیں وضع کرنے کے اصول بیان کیے گئے تھے۔اب حالات بدلنے کی وجہ سے ان اصولوں میں تبدیلی کرنی پڑی ہے کیوں کہ وہ زمانہ نہیں رہا جب دارالترجمہ نے اردو میں ترجمہ کیا تھا۔اس وقت عربی اور فارسی کے جاننے والوں کی تعداد اتنی کافی تھی کہ وہ دارالترجمہ کی وضع کی گئی اصطلاحات کو بہت حد تک سمجھ سکتے تھے۔لیکن اب صورتِ حال بالکل بدل گئی ہے۔ایسے لوگ بہت کم ہیں جو عربی اور فارسی سے پوری طرح واقف ہیں اور ان اصطلاحات کا استعمال کریں جو عربی اور فارسی الفاظ کی مدد سے وضع کی گئیں۔اب ہمیں وضعِ اصطلاحات کے درج ذیل اصولوں کو اپنانا ہوگا۔

1- فارسی اور دوسری زبانوں کی بنیادی اصطلاحات کا اردو میں ترجمہ کرنا ہے تو پہلے وہ الفاظ دیے جائیں جو اردو میں مستعمل ہوں۔مثلاً Acid کے لیے تیزاب، Hospital کے لیے اسپتال، Kerosine Oil کے لیے مٹی کا تیل، glass کے لیے شیشہ Butter کے لیے مکھن، Wire کے لیے تار، Medicine کے لیے دوا، Aerodrome کے لیے ہوائی اڈہ وغیرہ۔

-2 پھر ایسے الفاظ یا اصطلاحات لی جائیں جو بنیادی طور پر انگریزی الفاظ پر مشتمل ہوں لیکن ان کا تلفظ یا معنی بدل گئے ہوں۔ مثلاً Match Box کے لیے ماچس، Lantern کے لالٹین، Box کے لیے بکس۔

-3 پھر یہ کوشش کی جانی چاہیے کہ ہندوستان کی مختلف زبانوں میں ہمارے مطلب کے جو ایسے الفاظ ہوں، جنھیں ہم اصطلاحات کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں، انھیں جوں کا توں لے لیا جائے۔

-4 اس کے علاوہ انگریزی کے وہ الفاظ یا اصطلاحیں جو اردو میں اپنے اصل تلفظ کے ساتھ استعمال ہو رہی ہیں، اُن کو بھی جوں کا توں رکھا جائے۔ مثلاً ڈاکٹر، نرس، انجینئر، ٹیکسی، کار، ریڈیو، ٹی وی وغیرہ۔

-5 اور اگر ان میں سے اصول کے مطابق ہمیں اصطلاحیں نہیں ملتیں تو اُن کے لیے نئی اصطلاحات وضع کرنی چاہئیں، اس بات کی بھی کوشش ہونی چاہیے کہ اصطلاحات آسان ہوں اور ان میں انگریزی یا فارسی کے ایسے الفاظ کا استعمال کیا گیا ہو جو عام طور سے اردو میں سمجھے جا سکتے ہیں۔

ترقی اردو بورڈ (موجودہ قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان) نے بڑے پیمانے پر مختلف علوم کی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کرنے کا کام شروع کیا۔ اس کام کے لیے ضروری تھا کہ مختلف سائنسی، تکنیکی، علمی اور فنی مضامین کے ترجمے کے لیے اردو میں اصطلاحیں وضع کی جائیں۔ قومی اردو کونسل نے دیگر مضامین کی طرح لسانیات کی کتابوں کے ترجمے کے لیے بھی ماہرین کی ایک کمیٹی تشکیل دی ہے۔ کمیٹی نے اپنا کام شروع کرنے سے پہلے اصطلاح سازی کے لیے جو اصول مرتب کیے وہ درج ذیل ہیں:

-1 ایسی اصطلاحوں کو ترجیح دینا چاہیے جو مروج یا مقبول ہو چکی ہوں۔ چاہے ان میں کوئی لسانی یا معنوی سقم ہی کیوں نہ ہو۔

-2 اگر کوئی اصطلاح ایک سے زائد معنوں میں مستعمل ہے تو ایسی صورت میں اس کے مختلف مفاہیم کو علاحدہ علاحدہ الفاظ/اصطلاح سے واضح کیا جانا چاہیے۔

-3 اصطلاحوں اور عام الفاظ میں فرق کیا جانا چاہیے۔ عام الفاظ کو فرہنگ میں شامل نہیں کیا جانا چاہیے۔

-4 کون سا لفظ اصطلاح ہے اور کون سا محض ایک عام لفظ، اس کا فیصلہ مضمون کے ماہرین کی رائے اور حسبِ ضرورت معیاری انگریزی لغات کی مدد سے کیا جانا چاہیے۔ اگر ایسی لغت یا لغات میں کسی لفظ کے کوئی خاص معنی یہ کہہ کر دیے گئے ہیں کہ یہ معنی کسی فن یا کسی علم سے مخصوص ہیں تو اس فن یا علم کے مقاصد کے لیے اس لفظ کو اصطلاح تصوّر کیا جائے۔

-5 جہاں تک ممکن ہو سکے، ایک اصطلاح کا ایک ہی اردو متبادل دیا جائے۔ بشرطیکہ وہ اصول نمبر 2 کی ذیل میں نہ آتا ہو۔

-6 جہاں تک ممکن ہو سکے، اصطلاح یک لفظی ہی ہونی چاہیے۔ ناگزیر صورتوں میں یہ دو لفظی بھی ہو سکتی ہے۔ ایسی اصطلاحیں کم سے کم وضع کی جائیں جو دو سے زائد الفاظ پر مشتمل ہوں۔

-7 ہندی اصطلاح کے اختیار کرنے کو (اگر ایسی اصطلاحیں اردو میں بآسانی تلفظ اور تحریر کی جا سکتی ہوں) عربی اصطلاحوں کے اختیار کرنے پر مراجع سمجھا جائے۔

-8 اگر کسی اصطلاح کو ایک سے زائد الفاظ کے ذریعے ادا کرنے کی ضرورت پیش آئے تو حسبِ ذیل ترکیبات کو نیچے دی ہوئی ترتیب کے اعتبار سے ترجیح دی جائے گی۔

ا۔ وہ ترکیبات جن میں اضافت یا حروف ربط و جار کی قسم کے الفاظ و علامات نہ ہوں۔

ب۔ وہ ترکیبات جن میں یائے نسبتی ہو۔

ج۔ وہ ترکیبات جن میں اضافت ہو (بشرطیکہ ان میں ایک سے زائد اضافتیں ہوں تو ان میں کم سے کم ایک کو کا، کی، کے سے بدل دیا جائے

د۔ وہ ترکیبات جن میں کا، کی، کے وغیرہ استعمال کیے گئے ہوں۔

9- اگر کوئی اصطلاح ایک سے زائد علم یا فن میں مشترک ہے اور اُن سب علوم وفنون میں ایک ہی مفہوم میں استعمال کی جاتی ہے تو اس کا اردو متبادل بھی ہر جگہ ایک ہی رکھا جائے گا۔

10- الفاظ کو وضع کرنے کے اصولوں میں اتنی کشادہ دلی ہونی چاہیے کہ ہندی، عربی، فارسی یا عرب فارسی یا فارس عربی اور پراکرت ترکیبات بھی قابلِ قبول ٹھہریں۔

11- اگر کوئی انگریزی اصطلاح مروّج ہو اور عام فہم ہو تو اُسے برقرار رکھا جائے۔ ایسی عام فہم اصطلاحوں کے لیے اردو متبادلات بنانے یا تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

12- اعلام کو ایسا ہی لکھا جائے جیسے کہ وہ اردو میں مقبول ہو چکے ہیں۔ البتہ ایسے اعلام جو ابھی مقبول نہیں ہوئے ہیں، ان کو حروف تہجی کے حدود کا لحاظ رکھتے ہوئے ممکن صحت کے ساتھ لکھا جانا چاہیے۔

13- اگر کوئی علم کسی اصطلاح کا حصّہ بن چکا ہے تو اس علم کا اصول نمبر 12 کی روشنی میں اردو میں ترجمہ کیا جانا چاہیے۔

### اپنی معلومات کی جانچ :

1. لفظ اور اصطلاح میں کیا فرق ہے؟
2. وحیدالدین سلیم کی کتاب کا کیا نام ہے؟
3. اصطلاح سازی کی ضرورت کیوں پڑتی ہے

## 2.6 مترجم کے بنیادی فرائض

ترجمہ کرنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ یہ ایک تخصیصی کام ہے۔ مترجم کو چاہیے کہ وہ وسیع المطالعہ ہو۔ فن پاروں اور ادبی تخلیقوں، صاحب طرز ادیبوں اور مصنفوں کی کتابوں کا مطالعہ کیے ہو۔ دونوں زبانوں کی قواعد' الفاظ' روزمرہ' استعارات وکنایات' تشبیہات' ضرب الامثال اور ان زبانوں سے واقفیت جن سے اردو کی تشکیل عمل میں آئی ہے' اس میں زبان کا مزاج' رنگ ڈھنگ اور پیرایۂ بیان بھی شامل ہے۔ مترجم اصل زبان اور ترجمے کی زبان پر مکمل عبور رکھتا ہو اور اس عبور اور قدرت کا معیار یہ ہو کہ دونوں زبانوں کے فقروں' محاوروں اور تہذیبی پس منظر سے بخوبی واقف ہو۔ جس متن کا ترجمہ مطلوب ہے اُسے پوری طرح سے مطالعہ کرے اور متن کے مضمون کے مبادیات سے بھی کما حقہٗ واقف ہو۔ اس کا طرز تحریر اور انداز بیان ایسا ہو کہ بات جو اصل مضمون میں بیان کی گئی ہے اسے اچھی طرح سمجھ کر اس کے مفہوم کو موزوں طریقے سے اپنی زبان میں کچھ اس طرح منتقل کرے کہ قاری ترجمہ شدہ مواد کا مطالعہ کرتے وقت کسی ابہام کا شکار نہ ہونے پائے اور جو بات اصل مضمون میں بیان کی گئی ہے اس تک قاری کے ذہن کی رسائی ہو جائے۔

کسی زبان کے مواد کو ہو بہو دوسری زبان میں منتقل کرنا ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ کیوں کہ ہر زبان کا اپنا تہذیبی پس منظر' آہنگ اور مزاج ہوتا ہے۔ ان پہلوؤں کا بحسن خوبی ترجمہ اسی وقت ممکن ہو پائے گا جب وہ نہ صرف دونوں زبانوں کی لغات پر قدرت رکھتا ہو بلکہ ان کے مزاج' تراکیب اور ماخذات سے بھی گہری واقفیت رکھتا ہو اور ترجمہ کرتے وقت اصل متن کو خوب اچھی طرح سمجھ کر اس کے مفہوم کو اپنی زبان میں اس کے مزاج اور آہنگ کے مطابق اس طرح سمو کر ایسے پیرایہ بیان میں منتقل کرے کہ زبان کی سلاست وروانی اور موضوع ومفہوم کے بیان میں کہیں بھی ابہام کا شبہہ تک نہ ہو سکے بلکہ جس قاری نے اصل کتاب نہ پڑھی ہو' اسے ترجمے کے اصل ہونے میں کچھ شک وشبہہ نہ ہو' اور جن قارئین نے کتاب کا مطالعہ کیا ہو' وہ بھی ترجمے کو پڑھتے وقت کسی مقام پر اٹکیں نہ بلکہ مترجم کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتے چلے جائیں۔ اس کے برعکس بعض ترجموں کے دوران ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اصل تصنیف کی زبان کا تہذیبی پس منظر ترجمے کی زبان کے تہذیبی پس منظر سے بالکل مختلف ہو اور مصنف کا مدعا مانندِ عنقا ہو تو مترجم کی تمام کوششوں کے باوجود اگر ترجمے میں مغائرت کی کیفیت پیدا ہو تو یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ ترجمے کی زبان میں زبان وبیان' مواد اور تہذیبی وفکری پس منظر کی سطح پر خوش آئند بہتری کا باعث ہوگا۔

مترجم کا مطالعہ جتنا وسیع ہوگا اس کے کام میں اتنی ہی عمدگی پیدا ہوگی۔لہٰذا اسے چاہیے کہ زبان و ادب، فلسفہ، نفسیات، ساجیات، تاریخ، سائنس، مذہب، اقتصادیات جیسے مضامین سے بخوبی واقف ہو۔ ہر طرح کے مضامین اور زندگی کے ہر شعبے کے بارے میں واقفیت رکھنا صحافی مترجم کے لیے تو اشد ضروری ہے۔

اچھے ترجمے کے لیے موزوں الفاظ کا استعمال ضروری ہوتا ہے۔مترادفات کا انتخاب موزوں ترین ہونا چاہیے۔لہٰذا اچھا مترجم وہی ہے جو موقع محل کی مناسبت سے موزوں ترین لفظ کا انتخاب کرے۔ایسا صرف اس وقت ممکن ہو پاتا ہے جب مختلف لغات مترجم کے زیر مطالعہ رہیں تا کہ وہ حسب ضرورت اپنے مطلب کا لفظ چن سکے۔مترجم اصطلاح کا ترجمہ اصطلاح میں اور محاورے کا ترجمہ محاورے میں کرے تو احسن ہوگا، اگر اصطلاح فنی ہو تو مسلمہ اصولوں کے مطابق نئی اصطلاح وضع کرنے کی پوزیشن میں ہو۔اس کے لیے ضروری ہے کہ اسے لغات پر عبور ہو جس کے لیے وسیع مطالعہ نہایت ضروری ہے۔مزید برآں مترجم کو چاہیے کہ وہ موزوں الفاظ اور اصطلاحات کو ایسے پیرائے میں بیان کرے کہ مطلب صاف اور واضح طور پر قاری کے ذہن پر نقش ہو جائے۔

مترجم کو اس بات کی آگہی ہونی چاہیے کہ ہر فن کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں، کچھ شرائط اور قیود ہوتی ہیں اور کچھ پابندیوں کو قبول کرنا پڑتا ہے۔فنکار اپنے فن پارے کی تخلیق خونِ جگر سے کرتا ہے۔موزوں الفاظ کے انتخاب میں کاوش کرتا ہے۔صحیح لفظ کی تلاش کے لیے تگ و دو کرتا ہے اور پھر اسے اس طرح ترتیب دیتا ہے کہ جب وہ موزوں ہیئت، اسلوب اور پیرایہ بیان کے قالب میں ڈھل کر نکلتا ہے تو اپنے اندر ایک ندرت لیے ہوئے ہوتا ہے۔ہر لفظ اپنے اندر ایک کائنات سمیٹے ہوئے اپنی ایک تاریخ رکھتا ہے۔اخلاقی، سماجی، معاشی، علمی، سائنسی اور فنی حیثیت کا حامل ہوتا ہے اور مخصوص معنی سے قاری کے ذہن کے دریچے اس طرح کھول دیتا ہے کہ وہ ایک لفظ سے ایک مکمل آگاہی حاصل کر لیتا ہے۔مثال کے طور پر جب ہم اخلاق، مذہب یا سائنس کا لفظ سنتے ہیں تو ہمارے سامنے غور و فکر کی ایک وسیع دنیا آجاتی ہے۔

اس کے علاوہ مترجم کو اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ اگر اصطلاحیں نہ ہوں تو ہم علمی مطلب کے ادا کرنے میں طول لاطائل سے کسی طرح سے نہیں بچ سکتے۔اصطلاحیں درحقیقت اشارے ہیں جو خیالات کے مجموعوں کی طرف ذہن کو فوراً منتقل کر دیتی ہیں۔لغت وہ ہے جس پر جمہور کا اتفاق ہو، اصطلاح وہ ہے جس پر خاص گروہ کا اتفاق ہو۔لفظ تشریح طلب نہیں ہوتا جب کہ اصطلاح تشریح طلب ہوتی ہے۔مختصراً ترجمے کے اصول درج ذیل طے پاتے ہیں۔

1) ہر انگریزی لفظ کے لیے ایک ہی اردو لفظ استعمال کیا جائے۔بشرطیکہ خود اس انگریزی لفظ کے متعدد معنی نہ ہوں۔مثلاً انگریزی لفظ ڈیفنس کے لیے اردو میں اگر ہم کہیں اس کا ترجمہ دفاع کریں، کہیں تحفظ اور کہیں حفاظت وغیرہ تو غلط ہوگا۔

2) کتاب کا ترجمہ کرنے سے پہلے مترجم کو چاہیے کہ وہ پہلے پوری کتاب کا باقاعدہ کئی بار مطالعہ کرے اور اصطلاحوں اور مشکل الفاظ کو نشان زد کرنے کے بعد ان کی فہرست تیار کر لے۔ان کے لیے موزوں ترجمے تجویز کرے اور ہر جگہ وہی اصطلاح اختیار کرے۔مناسب ہوگا اگر کتاب کے آخیر میں فہرست دینے کا اہتمام کرے۔

3) جہاں تک ممکن ہو کسی انگریزی لفظ کا اردو متبادل اس قسم کا لفظ منتخب کرنا چاہیے جس سے اس کے مشتقات وضع ہو سکیں۔مثلاً ایڈمنسٹریشن کا ترجمہ انتظامیہ ہو سکتا ہے۔اس سے ہم انتظام، تنظیم، تنظیمی، منتظم، انتظامی وغیرہ الفاظ مشتق کر سکتے ہیں۔یہ بات درست نہیں ہوگی کہ انگریزی کے لفظ کا ترجمہ کچھ ہو، اور اس کے مشتقات کا کچھ اور، جو اصل لفظ سے مشتق نہ کیا گیا ہو۔

4) انگریزی کی فنی اصطلاحات کا ترجمہ کرتے وقت یہ خیال رکھا جائے کہ اردو میں بھی وہ لفظ اصطلاح کی حیثیت رکھتا ہو، نہ کہ تشریح کی۔وحید الدین سلیم کے بقول ''اصطلاح ایک چھوٹی سی علامت ہوتی ہے جو بڑے مفہوم کی طرف اشارہ کرتی ہے اور بولنے والوں اور لکھنے والوں کو وقت ضائع کرنے سے بچاتی ہے۔''

5) اگر اردو میں کسی انگریزی لفظ کے لیے پہلے سے کوئی لفظ موجود ہے تو نیا لفظ نہ گڑھا جائے، بہتر ہے کہ اسی کو استعمال کیا جائے۔مثلاً بل آف ایکسچینج کے لیے اردو میں پہلے سے ایک لفظ ''ہنڈی'' موجود ہے۔

6) بہت سے انگریزی الفاظ اردو زبان کا جزو بن چکے ہیں۔ انہیں جوں کا توں رہنے دیا جائے، مثلاً رجسٹری، بل، ڈاک اور ٹکٹ وغیرہ۔

7) بہت سے انگریزی الفاظ اردو میں آ کر بگڑ گئے ہیں لیکن وہ اردو میں عام طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ انہیں جوں کا توں رہنے دیا جائے۔

8) اگر کوئی انگریزی لفظ یا اصطلاح اور اس کا اردو متبادل دونوں یکساں طور پر اردو میں مقبول ہوں تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں کہ دونوں کو رہنے دیا جائے مثلاً کمیٹی اور مجلس وغیرہ۔

9) ایسے موزوں مقامی الفاظ کو بھی جگہ دی جاسکتی ہے جو خاصے مقبول ہو چکے ہوں۔ بجائے اس کے کہ کوئی مصنوعی اور بھونڈی اصطلاح وضع کی جائے۔ مختصرات کا ترجمہ نہ کیا جائے بلکہ پورے لفظ ترجمہ کیا جائے۔

10) جس موضوع کا ترجمہ کرنا مقصود ہو اس سے متعلق کتب وغیرہ کا باقاعدہ مطالعہ کرلیا جائے۔

## اپنی معلومات کی جانچ :

1. کیا مترجم کو وسیع المطالعہ ہونا چاہیے؟
2. کیا اصطلاح اور محاورے کا ترجمہ اصطلاح اور محاورے میں ہونا چاہیے؟
3. وحیدالدین سلیم نے اصطلاح کی کیا تعریف بیان کی ہے؟

## 2.7 ترجمے کے تین اہم میدان

ترجمے کے تین اہم میدان، جو درج ذیل ہیں:

1) علمی ترجمہ 2) ادبی ترجمہ 3) صحافتی ترجمہ

دراصل مذکورہ بالا تینوں قسمیں ترجمے کے تین اہم میدان ہیں۔ جن پر ترجمے کی تینوں تکنیکوں یعنی (1) لفظی ترجمہ (2) بامحاورہ یا بین بین ترجمہ (3) آزاد ترجمہ کا اطلاق ہوتا ہے۔ لیکن ایک چیز یہاں پر قابل غور یہ ہے کہ کسی تصنیف یا متن پر شروع سے آخر تک کسی ایک تکنیک کا استعمال نہیں ہوتا بلکہ تینوں تکنیکوں کا استعمال کسی بھی فن پارے اور مواد پر ہوتا ہے۔ آپ کو ایک ایک جملے کو پیش نظر رکھنا ہوگا اور یہ دیکھنا ہوگا کہ کس تکنیک کے استعمال کے ذریعے معیاری ترجمہ کیا جاسکتا ہے۔ ہاں یہ حقیقت ہے کہ مواد کی نوعیت کے پیش نظر کسی ایک تکنیک کا استعمال غالب ہوسکتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر مواد علمی نوعیت کا ہے تو لفظی ترجمے کی تکنیک غالب ہوگی اور اگر ادبی فن پارے کا ترجمہ کرنا مقصود ہے تو بامحاورہ یا بین بین ترجمے کا طریقہ غالب ہوگا اور اگر صحافتی نوعیت کا مواد ہے تو آزاد ترجمے کی تکنیک غالب ہوگی لیکن کسی ایک قسم کے مواد پر شروع سے آخر تک کسی ایک تکنیک کا استعمال کرنا غلط ہوگا۔ اس مختصر سی بحث کے پس منظر میں مناسب ہوگا کہ متذکرہ بالا تینوں قسموں پر علاحدہ علاحدہ ذرا تفصیلی روشنی ڈال لیں۔

1) علمی ترجمہ :

علمی ترجمے کے تحت تمام سائنسی علوم وفنون کی کتابیں آتی ہیں جن میں جغرافیہ، تاریخ، ریاضیات، معاشیات، قانون، طبعیات، سیاسیات، انجینئرنگ اور میکانیات وغیرہ کی کتابیں شامل ہوتی ہیں۔ علمی ترجمے عام طور سے لفظی ترجمے کی ذیل میں آتے ہیں۔ علوم وفنون میں مخصوص اور متعین لفظیات اور اصطلاحیں استعمال ہوتی ہیں۔ اس لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ کسی لفظ یا اصطلاح کا جو ترجمہ ایک جگہ کیا جائے ان کا انہیں معنوں میں ہر جگہ استعمال کیا جائے تاکہ ترجمے میں یکسانیت برقرار رہے اور قاری کا ذہن کہیں بھی الجھنے نہ پائے۔ ان ترجموں میں سب سے بڑا مسئلہ اصطلاحوں کے ترجموں کا ہوتا ہے۔ ان اصطلاحوں کو وضع کرتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ اصطلاحیں مسلمہ اصلوں کے مطابق وضع کی جائیں۔ تمام شرائط کے علاوہ ایک اور اہم بات یہ ہے کہ علمی وفنی کتابوں کا ترجمہ متعلقہ علم وفن کا ماہر ہی انجام دے۔

2) ادبی ترجمہ :

ادبی ترجمے کے لیے ضروری ہے کہ یہ بامحاورہ کیا جائے اور ترجمے کی زبان کے روزمرہ، ضرب الامثال، تشبیہات، استعارات وکنایات، تلمیحات اور رموز وعلامات سے کام لیا جائے تاکہ ترجمے میں ادبی رنگ آجائے اور ترجمہ تخلیقی نوعیت اختیار کرلے۔ دراصل ادب کی ادبیت اور اثرانگیزی

IMC LIBRARY

مذکورہ صنعتوں میں مضمر ہوتی ہے اور انہیں کے باوصف وہ اپنے فن پارے کو تابدار بناتے ہیں ۔ المختصر کہ تخلیق کار کی بات کو اس طرح بیان کیا جائے کہ اس کی اصل حیثیت مسخ بھی نہ ہو اور ترجمہ بامحاورہ اسلوب کے ساتھ ہو جائے ۔

3) صحافتی ترجمہ :

اسے کھلا ترجمہ بھی کہتے ہیں اور یہ مفہوم کے ترجمے کی ذیل میں آتا ہے ۔ مفہوم کا ترجمہ کرنا سب سے زیادہ آسان ہوتا ہے ۔ ایسے ترجموں میں کسی پابندی کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ مترجم کے لیے یہ آسانی ہوتی ہے کہ اصل مفہوم کو سمجھ کر اپنی زبان میں اپنے طریقے سے بیان کر دے ۔ اخباری ترجمے میں سب سے مقدم مصلحت یہ ہے کہ مطلب بالکل واضح اور عبارت قطعی طور پر سلیس ہو تا کہ قارئین کو کوئی الجھن نہ ہو ۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ترجمے کی زبان کا فقرہ ملحوظ خاطر رکھا جائے ۔ اگر صحافی مترجمین سادگی ، سلاست اور اردو کے فقرے کی ساخت کو مدنظر رکھ کر ترجمہ کریں تو خود بھی آرام سے رہیں اور قارئین کے ذہن پر بھی بار نہ پڑے ۔ ان کو چاہیے کہ جہاں وہ انگریزی کے فقرے کی ترکیب پیچیدہ اور طویل پائیں وہاں اس کی چیر پھاڑ کر دیں اور ترجمہ کرنے کے بعد ایک دفعہ پڑھ کر دیکھ لیں آیا اصل مطلب ادا ہوا کہ نہیں صحافتی تحریروں کا مقصد صرف عوام کو آگاہ کرنا ہوتا ہے اور باخبر رکھنا ہی اولین مقصد ہوتا ہے اور یہ عمل دو طرفہ ہوتا ہے ۔ ایک طرف حکومت وقت کے اچھے بُرے کاموں کے بارے میں عوام کو آگاہ کرنا ہوتا ہے تو دوسری طرف عوام کے حالات ، امور ، مصائب اور احساسات کے بارے میں حکومتِ وقت کو باخبر رکھنا ہوتا ہے ۔ اسی لیے آسان سے آسان زبان و بیان استعمال کرنا صحافت کی سب سے بڑی ضرورت اور خوبی ہے ۔ صحافت کی اہم ذمے داریوں کے پیش نظر ہی اسے جمہوریت کا چوتھا ستون کہا جاتا ہے ۔ پہلا ستون مقننہ (Legislative) ، دوسرا ستون انتظامیہ (Executive) اور تیسرا ستون عدلیہ (Judiciary) ہے ۔ لغت مترجم کا سب سے بڑا ہتھیار ہے اور اس سے ہر ممکن مدد لینی چاہیے کیوں کہ ممکن ہے وقت پر کسی لفظ کا صحیح اور موزوں ترجمہ دماغ میں نہ آئے اور لغت دیکھنے سے ایسا نفیس لفظ ہاتھ آ جائے جو فقرے میں جان ڈال دے ۔

## اپنی معلومات کی جانچ :

1. علمی ترجمے میں اصطلاحوں کی کیا اہمیت ہے ؟
2. کیا محاوروں اور صنعتوں کے بغیر ادبی ترجمہ ممکن ہے ؟
3. کیا ترجمے کی تینوں تکنیکوں کا استعمال تینوں میدانوں پر ہوتا ہے ؟

## 2.8 خلاصہ

انسانی معاشرہ سماجی گروہوں میں منقسم ہے اور مختلف علاقوں میں سکونت پذیر ہے ۔ نتیجتاً مختلف زبانیں پائی جاتی ہیں ۔ انسانی خواہشات ضروریات میں بدلتی ہیں اور ضروریات مختلف قوموں اور لسانی گروہوں میں لین دین کے عمل کو جنم دیتی ہیں اور مختلف لسانی گروہوں میں لین دین کی خواہش و ضرورت کی باقاعدہ تکمیل کے لیے ترجمہ کا فن اور اصول جنم لیتے ہیں ۔ اصول و ضوابط دراصل کسی بھی عمل یا فن میں باقاعدگی لانے کے لیے تیار کیے جاتے ہیں ۔

ترجمے کی اہمیت اور قدر و قیمت کا اعتراف گوئٹے جیسے شاعر و مفکر نے بھی کیا ہے ۔ دنیا کے علوم تک انسان کی رسائی صرف اور صرف ترجمے کے ذریعے ہی ممکن ہو پاتی ہے ۔ ترجمے کی دو بڑی قسمیں ہیں ۔ ایک تخلیقی تو دوسری مشینی قسم ہے ۔ تخلیقی ترجمے کے دو مطلب ہوتے ہیں ۔ ایک مطلب تو یہ ہے کہ تخلیقات کے ترجموں کو تخلیقی ترجمہ کہتے ہیں ۔ دوسرے یہ کہ جب کوئی ترجمہ تخلیقی نوعیت یا معیار کا ہوتا ہے تو ایسے ترجمے کو بھی تخلیقی ترجمہ کہتے ہیں ۔

1776ء میں شاہ محمد رفیع الدین نے قرآن شریف کا لفظی ترجمہ کیا تھا ، جس کی وجہ سے ترجمہ کافی گنجلک ہو گیا ۔ اس کے باوجود ترجمے کی تاریخ میں اس کی ایک الگ اہمیت ہے ۔ تھیوڈر ساوری نے ترجمے کی روایت سے ترجمے کے بارہ اصول اکٹھا کیے ہیں جن کا مترجمین جانے انجانے طور پر ترجمہ کرتے وقت استعمال کرتے ہیں ۔ تخلیقی ترجموں میں مصنف کے اسلوب کی جھلک ہونی چاہیے ۔ نیز تخلیقی ترجمے میں تہذیبی سانچوں کی منتقلی بھی اہمیت کی حامل ہوتی

ہے۔اردو کی لفظیات کے تین اہم ماخذات ہیں یعنی عربی' فارسی اور ہندی۔اس لیے ترجمہ کرتے وقت مترجمین کو چاہیے کہ وہ مترادف الفاظ واصطلاحیں مذکورہ تین ذریعوں سے اخذ کریں یا وضع کریں۔تخلیقی ترجموں میں صنعتوں اور محاوروں کی کافی اہمیت ہوتی ہے' کیوں کہ اشاروں کنایوں کی مدد سے بڑی بڑی باتیں بڑے مختصر اور موثر طریقے سے کہہ دی جاتی ہیں۔

ہر لفظ کا اپنا ایک تیور ہوتا ہے۔ترجمہ کرتے وقت ان باریکیوں کو ملحوظ خاطر رکھنا پڑتا ہے۔لفظ تشریح طلب نہیں ہوتا جبکہ اصطلاح تشریح طلب ہوتی ہے۔اصطلاحوں کا ترجمہ اصطلاحوں میں ہونا چاہیے اور محاوروں کا ترجمہ' محاوروں میں ہونا چاہیے۔اس کے لیے مترجم کو فرہنگوں اور لغتوں پر عبور ہونا چاہیے۔مترجم کو وسیع المطالعہ ہونا چاہیے کیوں کہ آج کی دنیا میں تمام مضامین ایک دوسرے پر منحصر اور ایک دوسرے سے متعلق ہیں۔ترجمے کے تین اہم میدان ہیں یعنی علمی ترجمہ' ادبی ترجمہ اور صحافتی ترجمہ۔ان ہی تینوں میدانوں سے متعلق متون کے ترجمے کرتے وقت مترجمین ترجمے کی تین تکنیک یعنی لفظی ترجمہ' بامحاورہ ترجمہ اور آزاد ترجمہ کی تکنیکوں کا استعمال کرتے ہیں۔

## 2.9 نمونہ امتحانی سوالات

درج ذیل سوالوں کے جواب تیس تیس سطروں میں لکھیے۔

1. ترجمہ کیا ہے؟ تفصیل سے بحث کیجیے۔
2. تھیوڈر ساوری کے تالیف کردہ اصولوں سے بحث کیجیے۔
3. اصطلاح سازی کے اصولوں پر روشنی ڈالیے۔

درج ذیل سوالوں کے جواب پندرہ پندرہ سطروں میں لکھیے۔

1. لفظ اور عبارت کے ترجمے پر ایک نوٹ لکھیے۔
2. مترجم کے بنیادی فرائض کیا ہیں؟
3. ترجمے کے کسی ایک میدان پر اپنے خیالات کا اظہار کیجیے۔

## 2.10 فرہنگ

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| تولید کار | = | پیدا کرنے والا | دبازت | = | موٹا پن' موٹائی' حجم |
| التزام | = | کسی بات کو لازم کر لینا' ضروری قرار دے لینا | حذف | = | گھٹانا' کم کرنا |
| کلیہ | = | جزئیہ کی ضد' عام قاعدہ' کالج' یونیورسٹی' ہمگی' تمام وکمال | مغائرت | = | غیریت' اجنبیت' بے گانگی |
| تلازمہ | = | مضمون کی رعایت سے الفاظ کا استعمال' رعایت لفظی | سُقم | = | خرابی' عیب' نقص' بیماری |
| مراجع | = | واپس پھرنے والا' رجوع کرنے والا | اعلام | = | خبر دینا' آگاہ کرنا' جتلانا |
| کماحقہ | = | بخوبی' ٹھیک ٹھاک' جیسا کہ اس کا حق ہے | | | |
| مشتق | = | نکلا ہوا' وہ لفظ جو کسی دوسرے لفظ سے بنایا گیا ہو | | | |
| عنقا | = | سیمرغ' ایک فرضی پرندہ' نایاب شئے | | | |

## 2.11 سفارش کردہ کتابیں


1. ڈاکٹر قمر رئیس — ترجمہ کا فن اور روایت
2. ڈاکٹر خلیق انجم — فن ترجمہ نگاری
3. نثار احمد قریشی — ترجمہ: روایت وفن
4. اعجاز راہی — روداد: سیمینار اردو زبان میں ترجمے کے مسائل